رسائل و مسائل

اقامتِ دین کے بارے میں چند ذہنی اشکالات

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کی ذمہ داریاں جن جلیل القدر صحابہ کے کاندھوں پر ڈالی گئیں اُن کے بارے میں بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہ نوعِ انسانیت کے گل سر سبد تھے لیکن اس کے باوجود اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلافتِ راشدہ کا نظام جلد درہم برہم ہو گیا اور جنگِ جمل و جنگِ صفین جیسے حادثات رونما ہوئے جن کا اسلامی تحریک کے ارتقاء پر ناخوشگوار اثر پڑا۔ ان حالات سے پیدا شدہ چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جن کے جوابات مطلوب ہیں۔ سوالات حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریبی زمانے میں اور عہدِ نبوی میں تربیت یافتہ صحابہ کی موجودگی میں اگر مسلم سوسائٹی میں خلفشار پیدا ہو سکتا ہے تو آج ہم لوگ جو ان سلف صالحین کی بلندیوں کے تصور سے بھی عاجز ہیں، کس چیز پر فخر کر سکتے ہیں اور کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم ایک مکمل اسلامی ریاست قائم کر سکیں گے؟

(۲) اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اس تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا کہ اس مناسبت سے اس میں داخل اور شامل ہونے والوں کی تربیت کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلفاءِ اسلام نے نظامِ اسلامی اور مسلم معاشرہ کو پورے طور پر استوار اور مستحکم (CONSOLIDATE) کیے بغیر اس کی توسیع (EXPANSION) کیوں ہونے دی؟

(۳) اگر ہمارے پیشرو لغزشوں سے محفوظ نہیں رہ سکے تو ہمارا دامن کیسے پاک رہ سکتا ہے اور اقامتِ دین کے لیے ہم میں جرأتِ عمل کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟

جواب:- آپ کے سوالات جتنے آسان اور مختصر معلوم ہوتے ہیں ان کا جواب اتنے اختصار اور آسانی سے دینا محال ہے۔ ان مسائل پر مفصل بحث سردست مشکل ہے۔ صرف مجمل جوابی اشارات عرض ہیں۔ اللہ نے چاہا تو انہی سے آپ کی تشفی ہو جائے گی۔

(۱) اپنی قومی تاریخ میں ہمیں محض دھبوں ہی کی تلاش نہیں کرنی چاہیے اور صرف اُن ہی کے تصور پر شرما کر نہیں رہ جانا چاہیے۔ ہماری تاریخ بہت سے روشن نشانات کی بھی حامل ہے۔ ہمیں اُن پر بھی فخر کرنا چاہیے اور انہیں نگاہ میں رکھ کر امید اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے۔ روشن نشانات کو دیکھنے سے گریز کرنا اور صرف دھبوں کا خیال کرکے دل مسوس کر بیٹھ جانا بہت بیجا قسم کی قنوطیت ہے۔

(۲) توسیع اور استحکام کے درمیان توازن و تناسب ذہنی دنیا میں تو قائم کیا جا سکتا ہے مگر عملی دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے۔ ایک شخص اگر آپ کے پاس شرک یا کفر سے توبہ کرنے کے لیے آئے تو آخر کس عذر کی بنا پر آپ اسے اُلٹا واپس کر دیں گے؟ کیا آپ اُس سے یہ کہیں گے کہ اس وقت میں استحکام میں مصروف ہوں اور توسیع کا کام میں نے فی الحال بند کر رکھا ہے؟

(۳) انسان جب تک انسان ہے اُس کی سعی بشریت کے تقاضوں اور محدودیتوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کو اپنی حد تک اپنا فرض بہتر سے بہتر طریقہ سے انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں ارادی لغزشوں سے بچائے اور غیر ارادی لغزشوں کو معاف فرمائے۔

قُرعہ اور لاٹری

سوال۔ ہمارے دفتر کا یہ ایک پُرانا ضابطہ ہے کہ جو شخص بھی اس دفتر سے ایک میل کی دوری پر رہتا ہے، اور یہاں کام کرتا ہے، اُسے دفتر کی سائیکل آمد و رفت کے لیے دی جاتی ہے۔ دفتر میں ایک ہی سائیکل ہے اور اتفاق سے اس وقت دفتر کے پانچ ملازم ایسے ہیں جو

قریب قریب سب کے سب ایک ایک میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ ہمارے افسر متعلقہ کا خیال ہے کہ قرعہ ڈال کر کسی ایک صاحب کو انتخاب کر لیا جائے، کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں قرعہ بھی جوئے اور لاٹری کی تعریف میں آتا ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔ آپ فرمائیں آیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: آپ نے جس قرعے کا ذکر فرمایا ہے اس پر لاٹری یا جوئے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قرعہ اور لاٹری دو مختلف چیزیں ہیں۔ لاٹری کی اکثر شکلیں بالعموم جوئے کے حکم میں آتی ہیں اور وہ شرعاً ناجائز ہیں۔ لیکن قرعہ شرعاً قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ مجرد قرعہ لاٹری سے بالکل ایک الگ شے ہے جسے بعض ناگزیر صورتوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ دونوں میں اہم اور اصولی امتیاز یہ ہے کہ لاٹری میں کوئی حقیقی مجبوری یا الجھن درپیش نہیں ہوتی جو قدرتی طور پر رونما ہو گئی ہو اور جسے حل کرنا مقصود ہو، بلکہ ایک پیشگی منصوبے اور سمجھوتے کے تحت پہلے شرکا و منتظمین اپنے اپنے متوقع مفاد کی خاطر سرمایہ جمع کرتے ہیں اور پھر اس کی تقسیم کے لیے قصداً ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن کا بالعموم ایک حد تک انحصار بخت و اتفاق (GAME OF CHANCE) پر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ افراد کے پاس بلاوجہ اور بلا ضرورت اپنی محنت و ذہانت کے بالمقابل تناسب سے کہیں زیادہ سرمایہ چلا جاتا ہے اور لالچ میں آکر حصہ لینے والے بے شمار اشخاص محروم رہتے یا نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اس طرح کی تمام بازیوں کے داعی اور منتظم حضرات اپنی گرہ سے کسی کو کچھ نہیں دیتے اور نہ ہی کسی ایسی دولت کی تقسیم کرتے ہیں جو فراہم تو فطری طریق پر ہو گئی ہو اور اب صرف اس کے بانٹنے کا مسئلہ درپیش ہو۔ بلکہ وہ شرکت کرنے والوں سے ہی وصول کر کے کچھ ناجائز طور پر خود کھاتے ہیں اور کچھ دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ برعکس اس کے قرعہ یا تو ایسی صورت میں ڈالا جاتا ہے جبکہ ایک خاص تعداد کے برابر کے حصے موجود ہوں اور انہیں اتنی ہی تعداد کے حق داروں میں تقسیم کرنا مقصود ہو۔ ایسی حالت میں بجائے اس کے کہ حصہ دار یا حصے بانٹنے والا خود حصے تقسیم کرے، قرعہ سے مدد لے کر ہر حصہ دار کو ایک حصہ دے دیا جاتا ہے۔ اس میں ناانصافی یا جانب داری کے کسی شائبے کا امکان نہیں رہتا۔ دوسری صورت میں قرعہ اندازی کی حاجت اس طرح لاحق ہوتی ہے کہ قابلِ تفویض شے واحد اور

ناقابلِ تقسیم ہوتی ہے اور اُس کے مستحق ایک سے زائد یکساں طور پر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر سب کو محروم رکھا جائے تو یہ سب کے ساتھ ناانصافی ہے اور اگر دینے والا اپنی طرف سے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہے تو اُس کے پاس کوئی وجہِ امتیاز نہیں ہوتی اور ایک کے علاوہ سب کی دل شکنی بھی ہوتی ہے۔ اس الجھن کا حل سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرعہ ڈال کر کسی ایک کا نام نکال لیا جائے اور اسی کے سپرد وہ چیز کر دی جائے ظاہر ہے کہ قرعہ کی ان دو شکلوں اور لاٹری کی مختلف شکلوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور دونوں کے لیے ایک حکم نہیں ہو سکتا لاٹری میں عمداً روپیہ کو اسطرح جمع کیا اور بانٹا جاتا ہے کہ جس سے کسی فریق کی حق تلفی اور کسی کو ناروا فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قرعہ کے ذریعے سے ایک واقعی پیش آمدہ الجھن کا ایک ایسا حل تلاش کیا جاتا ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا حل عملاً ممکن نہیں ہے۔

قرآن و حدیث میں جوئے اور قمار کی جتنی شکلوں کو ممنوع یا مکروہ قرار دیا گیا ہے، اُن میں سے کسی کا بھی اطلاق قرعہ پر نہیں ہوتا بلکہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے مختلف مواقع پر قرعہ کی مذکورہ بالا صورتوں کو اختیار فرمایا ہے۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب تک مدینے میں قیام رہتا تھا تو آپ ازواجِ مطہرات کے لیے باریاں مقرر فرماتے تھے لیکن جب آپ سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو قرعہ اندازی سے مدد لے کر آپ کسی ایک ام المومنین کا نام انتخاب فرماتے تھے اور پھر انہی کو ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ مختلف کھیل اور کاروبار جن میں جوئے کی آمیزش ہوتی ہے، اُن میں بھی بعض مراحل پر قرعے ڈالے جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت سادہ قرعہ اندازی سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جوا بازی کے اجزا میں سے ایک جز ہے، اور اپنے کُل کے ساتھ یہ جز بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امدادی کمیٹیاں

سوال :- آج کل ایک امدادی اسکیم کے تحت بعض تجارتی کمیٹیاں بنانے کا رواج ہے۔ مثال کے

طور پر چند افراد میں سے ہر شخص پانچ روپے ماہانہ چندہ دیتا ہے اور ہر ماہ کسی ایک آدمی کو پانسو روپے دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ہر آدمی پانچ روپے، دس روپے، پندرہ روپے یا زائد دے کر پانچ صد روپیہ حاصل کر لیتا ہے اور خسارہ کسی آدمی کو نہیں ہوتا۔ البتہ پانچ صد روپے کے عوض میں ہر پہلے لینے والے آدمی کو بعد میں لینے والے سے پانچ روپے کم ادا کرنے پڑتے ہیں۔ کمیٹی کا جمع شدہ سرمایہ تجارت میں لگا رہتا ہے جس سے منافع ہوتا ہے اور اسی منافع سے وہ زائد رقم فراہم ہوتی ہے جو ہر حصہ دار کو اپنے ادا کردہ چندہ سے زائد ملتی ہے۔ براہ کرم ان کمیٹیوں کے شرعی جواز و عدم جواز پر روشنی ڈالیں۔"

جواب:۔ جن کمیٹیوں کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا ہے اُن سے متعلق آپ کا بیان صاف، واضح اور مفصل نہیں ہے۔ تاہم آپ نے چونکہ پتہ نہیں لکھا اور جواب کے لیے اصرار فرمایا ہے اس لیے مزید وضاحت چاہے بغیر مختصر اصولی جواب دیا جا رہا ہے۔

جس طرح کی کمیٹیوں کا ذکر آپ نے کیا ہے اس طرح کی کمیٹیوں کی کچھ تفصیلات پہلے بھی ہمارے علم میں آئی ہیں۔ ان سب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہمارا خیال یہ ہے کہ ان نام نہاد امدادی یا تجارتی کمیٹیوں کا کاروبار شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہے، بلکہ ان میں ربٰو اور قمار کے اجزا کی آمیزش بالکل نمایاں ہے۔ یہ صورت کسی طرح جائز یا قرینِ انصاف نہیں ہو سکتی کہ مختلف حصہ داروں سے مختلف مقدار میں رقوم وصول کر لی جائیں، جمع شدہ سرمایہ کو تجارت میں لگا دیا جائے اور پھر نفع و نقصان یا ہر حصہ دار کی ادا کردہ رقم کا لحاظ کیے بغیر اُسے ایک مقرر رقم ادا کر دی جائے؟ آخر ایک متعین میعاد کے بعد جمع شدہ سرمایہ کو نفع یا نقصان کے ساتھ جملہ حصہ داروں میں حصص کے تناسب کے ساتھ کیوں نہ تقسیم کیا جائے؟ ایسا کیے بغیر ان کمیٹیوں کا کاروبار بہت ہی مشتبہ ہو جاتا ہے اور اسے سود اور جوئے کے شائبے سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور حضرت عمرؓ کے قول "فاجتنبوا الربٰو والریبۃ"[1] کے بموجب اس طرح کے معاملات

---

[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ "پس سود اور مشتبہ معاملات سے بچو"۔ یہ الفاظ دراصل حضرت عمرؓ کے اُس ارشاد کا آخری جزو ہیں جس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ سود کے آخری احکام کی وضاحت سے قبل نبی صلعم کا وصال ہو گیا۔ اس لیے تم سود کو بھی چھوڑ دو اور اُس چیز کو بھی جس میں سود کا شبہ ہو۔

سے اجتناب لازمی ہے۔

دراصل امدادی کمیٹی کی وہ ابتدائی اور سیدھی سادی شکل ہی سب سے زیادہ محفوظ اور جملہ اشتباہات سے پاک ہے جو ندرت سے غربا اور متوسط طبقے کی آبادیوں اور محلوں میں رائج ہے۔ اُس میں ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً بارہ آدمی ہر ماہ دس دس روپے چندہ دیتے ہیں اور ہر ماہ کسی ایک حاجت مند کو جمع شدہ رقم دے دی جاتی ہے۔ اس طرح سال میں ایک مرتبہ ہر آدمی یک مشت اتنی رقم وصول کر لیتا ہے جتنی کہ وہ سال بھر میں بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اس اسکیم کی ایک جائز اور ترقی یافتہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ماہانہ چندے کے دو حصے کر لیے جائیں۔ ایک حصہ ہر ماہ جمع ہو کر کسی نہ کسی ضرورت مند کو باری باری سے دیا جاتا ہے اور دوسرا حصہ مجتمع ہو کر امداد باہمی کے اصول پر تجارت میں لگتا رہے۔ سال کے آخر میں نفع و نقصان شمار کر لینے کے بعد یہ دوسرا حصہ بھی حصہ داروں میں تقسیم ہو جائے۔ ان شکلوں کے علاوہ اگر اور بھی شکلیں ممکن ہوں، جن میں فریب اور حق تلفی کے خدشات نہ ہوں اور جو جوئے اور سود کی آلائشوں سے آلودہ نہ ہوں تو انہیں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کمیٹیوں کی ایسی "ترقی پسندانہ" صورتیں جو بظاہر میں تجارت مگر حقیقت میں "جُوا" ہوں ایک مسلمان کے لیے قطعاً جائز نہیں کہلا سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں بظاہر ہر حصہ دار کو اپنے لیے "منافع" نظر آئے لیکن درحقیقت یہ سب کے لیے خسارے کا ہی سودا ہے۔

حُرمتِ رضاع

سوال۔ دو بھائی ہیں۔ بڑے کے ہاں ایک خاص مہینے بچہ پیدا ہوا۔ اور چھوٹے کے ہاں اُس سے اگلے مہینے میں ایک لڑکا ہوا۔ بڑے بھائی کے لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ پیدائش سے دو ماہ کے اندر پیا۔ چھوٹے بھائی کے ہاں اسی بیوی سے تین بچے اور ہوئے اور چوتھی مرتبہ آٹھ سال بعد بچی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ آخری لڑکی بڑے بھائی کے

اُس لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں جس نے آٹھ سال پہلے اپنی چچی (لڑکی کی والدہ) کا دودھ پیا تھا۔ اس جگہ دو تین مثالیں ایسی نظر آئیں جن میں ایسی صورت میں نکاح ہوئے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ صرف ایک ساتھ دُودھ پینے والے بچے رشتۂ مناکحت میں نہیں آسکتے۔ دوسرے بچے جو آگے پیچھے پیدا ہوں وہ آپس میں بیاہے جاسکتے ہیں۔

جواب - ایک لڑکا جب کسی عورت کا دُودھ پی لیتا ہے تو وہ عورت اُس لڑکے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور اس رضاعی ماں کی ساری لڑکیاں اُس لڑکے کی رضاعی بہنیں بن جاتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ۔ یعنی جو رشتے از روئے نسب حرام ہیں وہی رشتے اگر رضاعت کے تعلق سے قائم ہو جائیں تو وہ بھی حرام ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک شخص کے لیے ساری رضاعی بہنیں بالکل اُسی طرح حرام ہونگی جس طرح ساری نسبی بہنیں۔ جس طرح نسبی بہن صرف وہ نہیں ہوتی جو بھائی کے ساتھ جڑواں پیدا ہو کر اس کے ہمراہ دُودھ پیے بلکہ تمام ماں جائی بہنیں نسب کے لحاظ سے بہنیں ہی ہیں، بالکل اُسی طرح رضاعی بہن صرف وہ نہیں ہے جس کے ساتھ سن رضاعت میں دُودھ پیا جائے بلکہ رضاعی والدہ کی تمام لڑکیاں رضاعی بہنیں ہی ہیں۔ چونکہ یہ ایک بالکل بدیہی استنباط ہے اس لیے اس بارے میں ائمۂ سلف میں کامل اتفاق ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ لڑکا جس لڑکی کے ساتھ دودھ پیتا ہے صرف وہی اُس پر حرام ہے اور لڑکی کی دوسری بہنوں سے نکاح جائز ہے۔ رضاعی بھائی بہن ہونے کے لیے ایک ماں کا ایک ہی وقت میں دودھ پینا لازمی شرط نہیں ہے۔ ایک ہی عورت جن بچوں کو مختلف اوقات میں بھی دودھ پلا دے وہ رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں۔

تعجب ہے آپ نے لکھا ہے کہ دو تین مثالیں آپ کے علم میں ایسی ہیں جن میں ایسے زوجین میں نکاح ہُوا ہے جنہوں نے ایک ساتھ تو دودھ نہیں پیا مگر آگے پیچھے ایک ہی والدہ کا دودھ پیا ہے۔ طبیعت باور نہیں کرسکتی کہ ایسا ہوا ہوگا۔ لیکن اگر ایسا ہُوا ہے تو یہ بات انتہائی افسوسناک بلکہ شرمناک صورتِ حال کا پتہ دیتی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلم معاشرہ اب اپنے دین کے

بارے میں اتنا بے شعور اور بے حس ہو گیا ہے کہ محرمات تک سے لوگ نکاح کر گزرتے ہیں اور اس بارے میں نہ تو وہ احکامِ شریعت کا خود علم رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی صاحبِ علم کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جب ایسے کبائر کے ارتکاب کا علم عام طور پر ہو جاتا ہے تب بھی بھری بستیوں میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں نکلتا جو اگر علم دین رکھتا ہو تو خود فریقین کو ٹوکے یا اگر نہ رکھتا ہو تو کم از کم اتنی خلش ہی محسوس کرے جو اُسے کسی عالم سے پوچھ لینے پر آمادہ کرے۔ حرمتِ رضاعت حرمتِ نسب سے کچھ کم سنگین شے نہیں ہے۔ اس کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی اور ان کی اہلیہ کے بارے میں ایک عورت نے کہیں سے آکر بیان کیا کہ اُس نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک مجہول الحال عورت کا قول ہے، ہمیں اس کا کچھ علم نہیں ہے، کوئی مزید گواہ بھی موجود نہیں ہے اور میری ایک عمر اہل و عیال کے ساتھ بسر ہو چکی ہے۔ آپؐ نے یہ سب کچھ سُن کر فرمایا کہ "کیف وقد قیل" (اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ ایسی بات کہہ دی گئی)۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ قانونِ شہادت کے تحت خواہ اس قول کا وزن ہو یا نہ ہو لیکن ایک کھٹک جو اس سے دل میں پیدا ہو جاتی ہے، اُس کا علاج سوائے تفریق کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ صحابی نے فوراً سرِ تسلیم خم کیا اور تفریق کرا دی گئی۔

ضروری اعلان

جماعت کی ایجنسیوں اور مکتبوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ادارہ "چراغِ راہ" کی مطبوعات اور تفہیم القرآن براہِ راست مرکزی مکتبہ سے طلب کریں۔ بلالحاظ تعداد معقول کمیشن دیا جائے گا۔

مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان اچھرہ، لاہور